مضطر عباسی (مری)

جمہوریت کیا ہے

قسط ۔ ۲

بسا اوقات جنگ لڑنے والے سپاہیوں کو جو محکوم رعایا میں سے بھرتی کئے جاتے ہیں۔ اس امر کا علم تک نہیں ہوتا کہ وہ کیوں لڑ رہے ہیں اور کس کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ خیال فرمائیں کہ ویت نام میں عوام کا خون بہانے والے امریکی سپاہیوں کو ویت نامی عوام یا افواج سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ ویت نام سے امریکی عوام کو کبھی کسی قسم کے خطرے کا امکان نہیں، لیکن امریکی محکوم رعایا کے سپاہی ویٹ نامیوں کے خون کے پیاسے ہو رہے اور دن رات خود بھی قتل ہو رہے ہیں۔ مذہب، قوم، روپیہ، پیسہ یا دنیا کا کوئی دوسرا لالچ ایسا نہیں جو امریکی عوام کو وطن سے ہزاروں میل دور ویت نام میں مرنے اور مارنے پر آمادہ کر سکے۔ یہ صرف ایک فریب ہے، ایک دھوکہ اور ایک سازش ہے، جو امریکی حکمرانوں نے کی ہے۔ اور جس کا شکار ہو کر امریکی سپاہی درندگی پر اتر آئے ہیں۔

دیکھا آپ نے کہ مملکت کا دعویٰ قیام امن کا ہے اور حکومت مملکت کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہے، لیکن امر واقع یہ ہے کہ:

"مملکت فساد کی جڑ اور عالمی جنگوں کا محرک اور سبب ہے۔ اور حکومت جو مملکت کے مقاصد کی تکمیل کرتی ہے۔ اس کا کام فساد اور لڑائیوں کو منظم کرنا اور انسانوں کو آپس میں لڑنے کے لئے تیار کرنا ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ حکومت نہ ہو تو اندرون ملک امن قائم نہیں رہ سکتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ویت نام میں امن ہے۔ اور اگر نہیں تو کیوں نہیں، کیا ویت نام ایک مملکت نہیں، کیا امریکہ ایک مملکت نہیں کہ ویت نام اور امریکہ کے پاس مملکت کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ یعنی حکومت نہیں۔؟ اگر یہ سب کچھ ہے اور واقعی سب کچھ ہے تو پھر۔۔۔ کہاں ہیں ثنا خوانِ تہذیب مغرب کہاں ہیں ۔۔۔ جواب دیں۔ کہ ویت نام میں امن کیوں نہیں اور کیا وجہ ہے کہ امریکی محنت کشوں کی دولت بجائے امریکی عوام کی خوشحالی کے ویٹ نامیوں کی تباہی پر خرچ ہو رہی ہے۔؟ کیا اسی کا نام امن ہے اور کیا اسی امن کی خاطر مملکت کا قیام اور پھر حکومت

کا استحکام ضروری سمجھا گیا تھا۔

آسماں را حق بود گر سنگ بارد بر زمین

جمہوریت کیوں آئیے اب جمہوریت پسندوں کے ان دعاوی کا جائزہ لیں جن میں جمہوریت کی تعریف اور توصیف کی گئی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ شخصی حکومتوں میں یہ خرابی ضرور ہوتی ہے کہ عوام محکوم رعایا ہوتے ہیں، اور فرد واحد یا اس کی جماعت ان پر حکومت کرتی ہے۔ اور یہ بات انصاف کے تقاضوں سے بعید ہے کہ عوام جو حکومت کے مصارف برداشت کرتے اور حکومت کی خاطر سرحدوں پر اور سرحدوں سے باہر جا کر لڑتے ہیں انہیں حکومت میں شریک نہ کیا جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حکومت کی کوئی ایسی صورت نکالی جائے جس میں عوام برابر کے شریک ہوں۔ اور یہ صورت جمہوریت کی ہے۔

روسو نے اپنی کتاب "معاہدہ عمرانی" ان الفاظ سے شروع کی ہے:

"انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر جدھر دیکھو وہ پابہ زنجیر ہے۔ بہت سے لوگ اپنے آپ کو دوسروں کا مالک سمجھتے ہیں حالانکہ وہ خود ان سے بڑھ کر غلام ہیں ———" (معاہدہ عمرانی صـ ۴۲)

ان الفاظ میں اور پھر ساری کتاب میں روسو نے بتایا ہے کہ شخصی حکومتیں غلامی کا ایک نظام پیش کرتی ہیں۔ اور انسان اگر آزاد رہ سکتا ہے تو صرف اور صرف جمہوری حکومت ہی میں آزاد رہ سکتا ہے۔ جمہوریت کی تائید اور شخصی حکومتوں کی مخالفت کے باوجود بھی روسو اپنی اسی کتاب یعنی "معاہدہ عمرانی" میں ایک جگہ لکھتا ہے:

"میں ہر اس ریاست کو جمہوریہ کہتا ہوں جس پر قوانین کے ذریعہ حکومت ہوتی ہے، چاہے ریاست کا طرز حکومت کچھ بھی ہو۔" (کتاب مذکور صـ ۸۵)

غالباً روسو کے اسی جملے کی تائید میں علم سیاست کے مصنفوں نے دستوری بادشاہت کو جمہوریت کا نام دے رکھا ہے۔ ورنہ امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے اس طنز کا مغربی تہذیب و ثقافت کی مدح سرائی کرنے والوں کے پاس کوئی جواب نہیں جس میں موصوف نے فرمایا ہے کہ:

"اگر یورپ جمہوریت اور آزادی کا علمبردار ہے تو برطانیہ میں تاج اور تخت نام کی کیا چیزیں ہیں۔؟ اور ان کا تقدس کیوں باقی ہے۔"

ہاں! تو بات یہ تھی کہ روسو جمہوریت کا حامی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ایسی شخصی حکومتوں کو

بھی جمہوریت کا نام دیتا ہے، جو قوانین کے تابع ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ روسو اس حد تک یقیناً درست کہتا ہے کہ موجودہ دور کی جمہوری اور شخصی حکومتوں میں مقصد اور روح کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں یہی بات لینن نے اپنی کتاب "ریاست و انقلاب" میں کہی ہے۔ لینن لکھتا ہے:

"انیگلس نے ایک بار پھر اس پر زور دیا کہ صرف شاہی میں نہیں بلکہ جمہوری ریپبلک میں بھی ریاست ریاست ہی رہتی ہے۔ یعنی وہ اپنی بنیادی اور امتیازی خصوصیات رکھتی ہے۔" (کتاب مذکور ص۵۹)

گویا روسو اور لینن دونوں اس بات پر متفق ہیں، جمہوریت اور بادشاہت یعنی شخصی حکومت میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ روسو ہر اس حکومت کو جو قانون کا احترام کرتی ہے۔ جمہوریت کہہ کر اسکی حمایت کرتا ہے۔ اور لینن ہر حکومت کو ایک طبقہ کی قوت، اور غلبے کا آلہ جان کر اسکی مخالفت کرتا ہے۔ روسو کی بات مان لیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جمہوری حکومت وہ ہوتی ہے جو قانون کا احترام کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دنیا میں آج تک کوئی ایک حکومت بھی قائم نہیں ہوسکی جس نے قانون کا احترام نہ کیا ہو۔ چنگیز خان کی "یاسا" اسکی حکومت کا قانون نہیں تو اور کیا تھا۔؟ اور کیا روسو یا اس کے طرفدار چنگیز کی حکومت کو جمہوری حکومت کا نام دینے کی جرأت کرسکتے ہیں۔؟ دراصل دھوکا اس بات سے لگا کہ ہمارے ذہنوں میں قانون کا مفہوم واضح نہیں تھا۔ اس لئے ضروری ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے قانون کے بارے میں بات چیت کرلی جائے۔

قانون انگریزی کے عظیم شاعر گولڈ سمتھ (GOLD SMITH) نے کہا ہے:

LAW GRIND THE POOR AND RICH MEN RULE THE LAW.

یعنی قانون غریب کو کچلتا ہے اور امیر قانون کے ذریعہ حکومت کرتا ہے۔ ایک دوسرے مفکر نے کہا ہے کہ:

"قانون مکڑی کا جالا ہے جس میں کمزور پھنس جاتا ہے، اور طاقت ور اسے توڑ دیتا ہے۔"

قانون کی مختلف قسمیں ہیں۔ مذہبی قانون، اخلاقی قانون۔ قدرتی قانون اور سرکاری قانون وغیرہ۔ بعض دفعات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مختلف قانون کی ایک معاملہ میں جمع اور متفق ہو جاتے ہیں۔ چوری جرم ہے" یہ ایک قانون ہے جو بیک وقت مذہبی اخلاقی اور سرکاری قانون کا درجہ رکھتا ہے، لیکن علم سیاست میں جب قانون کی بات کی جائے تو اس سے مراد صرف سرکاری قانون ہوتا ہے۔ سرکاری قانون سرکار بناتی ہے، اور اس میں عوام کے حقوق و فرائض اور حکمران طبقے کے

اختیارات کا ذکر ہوتا ہے۔ عام طور پر سرکاری قانون میں یہی کچھ ہوتا ہے کہ عوام کو زندہ رہنے اور محنت و مشقت کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ حق اس لئے دیا گیا ہے تاکہ عوام فرائض ادا کرسکیں۔ فرائض یہ ہیں کہ حکمران طبقہ کے مصارف کے لئے ٹیکس ادا کریں اور حکومت کیطرف سے جاری کئے جانے والے احکامات کی بے چون وچرا تعمیل کرتے رہیں۔ حکمرانوں کو یہ اختیارات ہیں کہ عوام سے خدمات لیں اور جب چاہیں انہیں مال وجان تک سے محروم کردیں۔

امریکی حکمرانوں کو قانون نے یہ اختیارات دے رکھے ہیں کہ وہ امریکی عوام سے ویت نام کی جنگ کا خرچہ وصول کرتے اور ان کے نوجوانوں کو ویت نام کے جنگلوں میں لے جاکر ذبح کرتے ہیں۔

روسو قانون کی حکومت کا احترام کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ قانون عوام کی خواہشات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اور اس طرح جب عوام قانون کے مطابق چلنے والی حکومت کی تابعداری کرتے ہیں تو در اصل وہ اپنے ہی ارادوں کی تکمیل کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہر کوئی جانتا ہے کہ قانون عوام کی خواہشات کا آئینہ دار نہیں ہوتا بلکہ قانون ساز فرد یا ادارے کی مرضی اور رجحانات کا مظہر ہوتا ہے۔ اگر کسی موقع پر ایسا نظر آئے کہ قانون کا جو تقاضا ہے، وہی عوام کی مرضی ہے تو یہ محض اتفاق ہوگا جس طرح یہ اتفاق کی بات ہے کہ "چوری جرم ہے" کا قانون، مذہب، اخلاق اور حکومت تینوں کے ہاں ہر جگہ مسلّم ہے۔ حکومت، عدالت، پولیس اور عقوبت جانے چوری کے بارے میں قانون کی حفاظت اس لئے نہیں کرتے کہ یہ مذہب یا اخلاق کا قانون ہے بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ یہ سرکار اور حکومت کا قانون ہے۔ اسی طرح اگر عوام کسی ایسے دشمن کے خلاف لڑنے کیلئے حکومت کو مال اور جان پیش کرتے ہیں جس نے واقعی ان عوام کو نقصان پہنچایا ہوتا ہے تو یہ ایک اتفاق کی بات ہے۔ ورنہ حکومت اپنے اختیارات کے قانون ہی پر عمل کرکے عوام سے دشمن کے مقابلے کیلئے مال اور جان کا مطالبہ کرتی ہے۔

یاد رہے کہ قانون کے لئے کاغذوں پر لکھا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بس وہ بات قانون ہے، جسے قانون ساز فرد یا ادارہ کہہ دیتا ہے۔ اور جب کسی قانون ساز فرد یا ادارے کو ضرورت محسوس ہوتی ہے تو اپنی کہی ہوئی بات واپس لیکر قانون کو توڑ دیتا ہے۔ اور یہ قانون شکنی بھی ایک قانون ہی کہلاتی ہے ــــــ کل تک ہمارے ہاں ون یونٹ قانون تھا۔ آج ون یونٹ کا نہ ہونا قانون ہے۔

بادشاہت کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہاں قانون نہیں ہوتا یہ خیال غلط ہے جب

قانون کے بغیر چائے تیار نہیں کی جا سکتی تو قانون کے بغیر سکندر اعظم یا اکبر اعظم کی عظیم مملکت اور اسکی حکومت کا کاروبار کیسے چلایا جا سکتا تھا۔ بادشاہت کا قانون یہی ہے کہ بادشاہ جو کہہ دے وہ قانون ہوتا ہے۔ اور یہ بات جمہوریت میں قانون ساز ادارے پر بھی اسی طرح صادق آتی ہے۔ کہ قانون ساز ادارہ جو کہہ دے وہی قانون ہوتا ہے۔ فرق صرف فرد اور ادارے کا ہے۔ بادشاہت میں ایک فرد بات کرتا ہے، اور جمہوریت میں ایک ادارہ بات کرتا ہے۔ اگر مزید غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ فرق بھی برائے نام ہی ہے۔ ورنہ بادشاہت میں بادشاہ اپنے وزیروں اور مشیروں کے مشورے سے قانون بناتا ہے۔ اور جمہوریت میں نام نہاد عوامی نمائندے یا قانون ساز ادارے کے اراکین اپنے صدر محترم کو تجاویز پیش کرتے اور مشورے دیتے ہیں۔ بات دونوں جگہ فرد واحد کی سنی اور مانی جاتی ہے۔ اس فرد کو بادشاہ کہیں یا صدر مملکت اس سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ روسو تسلیم کرتا ہے کہ:

"قانون ساز ہر اعتبار سے ریاست میں ممتاز ہوتا ہے"		(کتاب مذکور صہ ۹۱)

یعنی عوام نہ تو سب ملکر قانون بناتے ہیں اور نہ ہی سب کی رائے قانون بنایا جاتا ہے۔ قانون سازی ایک فن ہے اور جو لوگ اس فن کے ماہر ہوتے ہیں۔ وہی قانون بناتے ہیں اور یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ قانون ساز قانون بناتے وقت ذاتی خواہشات اور رجحانات سے مغلوب نہ ہوتا ہو۔ غرض قانون ساز فرد ہو یا ادارہ قانون میں قانون ساز کی خواہشات اور رجحانات کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ اور اس طرح قانون کی اطاعت قانون کی غلامی درحقیقت قانون ساز کی خواہشات کی اطاعت اور غلامی ہے۔

یہ کہنا کہ جمہوریت میں عوام کے نمائندے قانون سازی کرتے ہیں، اس لئے یہ قانون عوام کی خواہشات کا آئینہ دار ہوتا ہے غلط ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ ہمارے چنے ہوئے نمائندے ہماری خواہشات ہی کے مطابق قانون بناتے ہیں تو پھر اس قانون کے نفاذ کے لئے عدالت پولیس اور عقوبت قانون کے استعمال کی کیا ضرورت ہے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے، جو اپنی خواہشات کی خود ہی مخالفت کرتا ہو اور اسے طاقت کے ذریعے مجبور کیا جاتا ہو کہ وہ اپنی خواہشات کا احترام کرے۔ ؟ اگر ایسا نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ اگر ہمارا جمہوری قانون ہماری خواہشات ہی کا ترجمان ہے۔ تو پھر قانون کے نفاذ کے لئے طاقت کا استعمال کیوں ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کوئی صاحب یہ کہہ دیں کہ جمہوری حکومت میں قانون عوام کی خواہشات کا نہیں بلکہ

عوام کے مفادات کا آئینہ دار ہوتا ہے اور عوام کم عقلی کے باعث اپنے نفع نقصان میں تمیز نہیں کر سکتے اس لئے انہیں طاقت کے ذریعہ قانون کے احترام پر مجبور کیا جاتا ہے اگر یہ بات ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ پھر بادشاہت میں کیا برائی ہے، کیا بادشاہ عوام کے مفادات کے لئے قانون نہیں بنا سکتا۔ جب عوام میں تو یہ شعور نہیں کہ وہ اچھے برے کی تمیز کر سکیں، تو پھر بادشاہ ہی کو کیوں نہ اچھا تسلیم کر لیا جائے۔ اور اس کی کیا ضرورت ہے کہ ہر چار پانچ یا چھ سال بعد عام انتخابات کرائے جائیں ——

حقیقت یہ ہے کہ قانون جو بھی بناتا ہے۔ وہ عوام کیلئے نہیں بلکہ اپنے لئے بناتا ہے اور ایسا کرنے پر اسے برا نہیں کہا جا سکتا اپنا فائدہ ہر کسی کو عزیز ہوتا ہے۔ اور جب ہم قانون کی اطاعت کرتے ہیں تو دراصل قانون ساز کی اطاعت کر رہے ہوتے ہیں۔

یونانی جو علم سیاست کے موجد یا داعیٔ اوّل سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے جب دیکھا کہ ایک مملکت میں بسنے والے سب شہری برابر حیثیت کے مالک ہیں تو پھر چند افراد کو یہ حق نہیں ہونا چاہئے کہ وہ عوام کے لئے قانون بنائیں وہ جانتے تھے کہ قانون کی اطاعت دراصل قانون ساز کی اطاعت ہوتی ہے اور اس طرح جو شخص قانون بنائے گا، وہ عوام سے بلند تر ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ لوگ غیر ملکیوں سے قانون بنوایا کرتے تھے۔ روسو لکھتا ہے :

"یونان کے اکثر شہروں کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ اپنے قوانین باہر سے وضع کراتے تھے اطالیہ کی جدید جمہوریتیں بھی اکثر یہی کرتی تھیں اور اس میں انہیں اپنی بھلائی معلوم ہوتی تھی"۔
(معاہدہ عمرانی ص ۹۲)

حاصل کلام یہ کہ جمہوریت ہو یا بادشاہت ہر جگہ قانون کی حکومت ہوتی ہے، فرق صرف یہ ہے، کہ جمہوریت میں عوام کے چنے ہوئے لوگ قانون سازی کرتے ہیں اور بادشاہت میں بادشاہ کو قانون سازی کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ قانون ہر جگہ قانون ساز کی خواہشات کا ترجمان ہوتا ہے۔ اور قانون کی اطاعت قانون ساز ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ عوام بادشاہ کے غلام ہوں یا قانون ساز ادارے کے ان کی غلامی ہر جگہ مسلّم ہے۔ ان کی حیثیت محکوم کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ جمہوریت قانون کی حکومت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بادشاہت وغیرہ قسم کی شخصی حکومتوں سے ممتاز اور مختلف ہوتی ہے محض دھوکہ ہے۔

کیا جمہوریت بہتر ہے ؟ | کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے اصل اور مقصد کے اعتبار سے حکومت

ایک بری چیز ہو، لیکن مختلف برائیوں میں بھی مدارج ہوتے ہیں۔ اور جب انسان کسی ایک نہ ایک برائی کے قبول کرنے پر مجبور ہو تو اسے کم تر درجے کی برائی کو قبول کرنا چاہیے۔ حکومت کی مختلف اقسام ہیں۔ جمہوریت ایک ایسی حکومت ہے جو نسبتاً کم بری ہے اس لئے ہمیں جمہوریت کو بامر مجبوری قبول کرلینا چاہیئے۔ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ہمیں ایک بار پھر حکومت کے اغراض و مقاصد پر غور کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ اگر ہمیں حکومت کے مان لینے کا مشورہ دیا جاتا ہے تو وہ صرف ان مقاصد کے لئے ہے جن کی تکمیل کا ذریعہ حکومت ہے ورنہ حکومت بذات خود تو کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ماننے یا نہ ماننے کا سوال پیدا ہو۔

چلیں ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ جن مقاصد کے حصول کے لئے ہمیں حکومت کو قبول کر لینے کا مشورہ دیا جاتا ہے، وہ مقاصد برے نہیں، یا اگر برے ہیں تو ایسے ہیں کہ ہم انہیں چھوڑ نہیں سکتے۔ اور وہ مقاصد یہی ہو سکتے ہیں کہ ملک کے اندر امن و امان کی فضا قائم رہے۔ لوگ اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے کاروبار میں مشغول رہیں۔ درس گاہوں، ہسپتالوں اور شاہراہوں کا بندوبست ہو، سرحدوں کی حفاظت کی جائے تاکہ غیر ملکی دشمن ہمارے اندرون ملک کے امن کو تباہ نہ کر سکیں وغیرہ۔

آیئے اب جائزہ لیں کہ جمہوری حکومت ان مقاصد کے حصول میں کس حد تک کامیاب ہے۔

روسو لکھتا ہے:

> "اس پر مستزاد یہ ہے کہ حکومت عوام یا جمہوری حکومت سے زیادہ کوئی حکومت خانہ جنگیوں یا اندرونی کشمکش کے خطرے میں مبتلا نہیں ہوتی۔"

آگے چل کر لکھتا ہے:

> "اگر دیوتاؤں کی کوئی قوم ہوتی تو اسکی حکومت جمہوری ہوتی، مگر بنی آدم کے لئے تو ایسی کامل حکومت موزوں نہیں۔"

روسو جمہوری حکومت کی ناکامی کے اسباب یوں بیان کرتا ہے:

> "پھر یہ بھی یقینی ہے کہ ایک کام جس قدر زیادہ آدمیوں کے سپرد کیا جائے گا، اسی اعتبار سے اس کی انجام دہی میں زیادہ خلل واقع ہوگا۔"

روسو کا ایک اور جملہ ملاحظہ فرمائیں، کہتا ہے:

> "حکام جس قدر کثیر تعداد میں ہوں گے حکومت اتنی ہی کمزور ہوگی۔"

یہ ہے بیان روسو کا جمہوریت کے بارے میں جو جمہوریت پرستاروں میں شمار ہوتا ہے اور جمہوریت پسند

اسکی کتاب "معاہدہ عمرانی" کو جس سے یہ عبارتیں نقل کی گئی ہیں انجیل کا درجہ دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت کا یہ دعویٰ کہ یہ عوام کی حکومت ہے اور عوام ہی کی خاطر ہے، سراسر غلط ہے۔ کوئی حکومت نہ عوام کے فائدے کے لئے ہوتی ہے۔ اور نہ ہی عوام اس کے چلانے میں شریک ہوتے ہیں، حکومت ہمیشہ ایک طبقہ کی آقائیت اور خواجگی ہوتی ہے۔ اس طبقے کے چند افراد حکومت کے بااختیار افسر ہوتے ہیں۔ یہ اپنی مرضی سے قانون بناتے اور اسے عوام پر مسلط کرتے ہیں۔ البتہ دعویٰ یہی کیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ عوام کے مفاد اور ان کی بہتری کے لئے کیا جارہا ہے۔ اور اس زبانی دعوئی میں بادشاہت اور جمہوریت میں کوئی فرق نہیں۔

یہ کہنا ہے کہ جمہوریت میں قانون ساز ادارے کے ارکین کو عوام منتخب کرتے ہیں غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح بادشاہت میں ایک شخص مکر و فریب سے عوام پر مسلط ہو جاتا ہے۔ اور عوام اسکی بادشاہت قبول کر لیتے ہیں۔ اسی طرح انتخابات کے وقت حلقہ انتخاب میں ایک آدھ آدمی دوسروں پر مسلط ہو جاتا ہے اور عوام اس کو اپنا نمائندہ بنا لیتے ہیں۔ عوام کیا دنیا میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اپنی آزادی سے دست بردار ہونا پسند کرے۔ لیکن جب ہم کسی کو اپنے اوپر حکومت کرنے کیلئے مقرر کرتے، چنتے یا نامزد کرتے ہیں تو ہم عملی طور پر اس شخص کے حق میں اپنی آزادی سے دست برداری کا اعلان کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کام ہم اپنی مرضی سے نہیں کرتے۔

پی، سی، ٹی

مارکہ

پیرز کا چلتے سائیکلے

★

پاکستان میں سب سے اعلیٰ اور معیاری

بٹ سائیکل سٹور نیلا گنبد - لاہور۔ فون نمبر 65309